فروغ اُردو میں منظوم تراجم کا کردار

Role of Poetic Translations in Promotion of Urdu Language

ڈاکٹر شگفتہ فردوس، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، جی سی ویمن یونیورسٹی سیالکوٹ

Dr. Shagufta Firdous, Assistant Professor, GC Women University, Sialkot.

ڈاکٹر طاہر عباس طیب، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، جی سی ویمن یونیورسٹی سیالکوٹ

Dr. Tahir Abbas Tayib, Assistant Professor, GC Women University, Sialkot.

ڈاکٹر راحیلہ بی بی، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، شہید بے نظیر بھٹو ویمن یونیورسٹی، پشاور

Dr. Rahila Bibi, Assistant Professor, Shaheed Benazir Bhutto Women University, Peshawar.

Abstract

Translation is great source of getting access to the latest literary trends and ideas of the modern world. According to Goethe, translation is one of the most important and valuable activities in this world. Poetic translation is the act of translating a literary work into another language with all its artistic qualities. Translations are also the most effective means of access to scholarly and literary assets in modern times. John Gilchrist began his literary translation in Urdu by translating selected sections from two of William Shakespeare's plays. Poetic translation in Urdu began with the most famous poem "Gore Ghariban" written by Nazam Tabatbai in 1897. Risala “Makhzan” played major role. Allama Iqbal also increased the treasure of Urdu literature by translation of the poems in Urdu. After 1947, many other poets like Tassaduq Hussain Khalid, Sajjad Baqir Rizvi, Shaanul Haq Haqi, Noon Meem Rashid,

Ahmad Nadeem Qasmi and Amjad Islam Amjad showed their skills in translation from different languages like Arabic, Persian, Russian, Chinese, French. In current era, Poetic translation is still playing an effective role in the promotion of Urdu literature. This article describes in brief the history of poetic translation and important role of translation in promotion of Urdu language and literature.

Key words: Translation, Language, Poetic translation, Promotion, Urdu, William Shakespeare

کلیدی الفاظ: ترجمہ، زبان، منظوم ترجمہ، فروغ، اردو، ولیم شیکسپیئر

منظوم ترجمہ کسی ادبی پیکر کو تمام لوازم کے ساتھ دوسرے پیکر میں منتقل کرنے کی تخلیقی کاوش کا نام ہے جس سے زبان و بیان اور فکر میں نہ صرف وسعت پیدا ہوتی ہے بلکہ اقوامِ عالم کی زبانیں اپنے علمی ادبی اور لسانی خزانوں میں اضافہ کر کے ادب کا رخ موڑتی ہیں۔ گوئٹے کے بقول جملہ امور عالم میں جو سرگرمیاں سب سے زیادہ اہمیت اور قدر و قیمت رکھتی ہیں اُن میں ترجمہ بھی شامل ہے۔ جس سے تہذیبی نشوونما اور زبان وادب کی پرداخت اور اکتساب کا کام باآسانی ممکن ہے۔ ترجمہ نگاری کے لیے Translation "اور Interpretation" کے الفاظ بھی مستعمل ہیں جس کے معنی تشریح، توضیح، تعبیر اور تصریح کے ہیں ۔ڈاکٹر عنوان چشتی نے اسے یک زبان سے دوسری زبان میں ترسیل خیال اور انتقال فکر(۱) کہا جب کہ پروفیسر ارتقا کریم کے نزدیک تفہیم و تشکیل کے لیے "ادب و زبان کے تعلق سے ترجمہ ایک پُل کی حیثیت رکھتا ہے(۲)۔ اسی پُل کی مدد سے اردو زبان نے اپنی وسعتوں کے سفر کو جاری رکھا اور مختلف زبانوں سے اخذ و استفادہ کر کے اپنے دامن کو کشادہ کیا، جو کسی بھی زبان کی ترقی کے لیے ایک لازمی امر ہے کہ وہ وقتی تقاضوں سے ہم آہنگ ہو. یہی وجہ ہے کہ اردو زبان و ادب نے اپنی پرداخت کے ابتدائی دور میں عربی و فارسی زبانوں سے اپنی ضرورت و مزاج کے مطابق الفاظ و اصناف کو اخذ کیا. انگریزوں کے تسلط اور ۱۸۵۷ء کی یورش کے بعد غالب آنے والی قوم کی زبان سے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے ان کے ادبی سرمائے کے تراجم کیے گئے۔ علاوہ ازیں ان ترجموں کی مدد سے برصغیر کے رہنے والے نئی اصناف اور ہئیتوں سے روشناس ہوئے۔ جان گلکرسٹ نے ۱۷۹۶ میں "ہندوستانی زبان کے قواعد" میں ولیم شیکسپیئر کے دو ڈراموں کے منتخب اقتباسات کے ترجمے سے اردو میں ادبی ترجمہ نگاری کا آغاز کیا۔ اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ عربی و فارسی زبان سے اخذ و اکتسابِ الفاظ و اصناف کی بات ہو یا

مشرق و مغرب کے فکری ابعاد کا خاتمہ کرنا، ترجمہ ہر دو صورتوں میں اردو ادب کے فروغ میں معاون رہا۔ حتیٰ کہ عصر حاضر میں علمی و ادبی سرمائے تک رسائی کا سب سے موثر ذریعہ بھی تراجم ہی ہیں۔ ادبی تراجم ایک دقّت طلب کام ہے جس میں شاعر کو اپنے تخیل اور اپنی دونوں زبانوں ہر دسترس کے علاوہ ترجمے کو منشائے شاعر کے مطابق بنانے کے لیے دوہری مشقت سے کام لینا پڑتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ترسیل خیال کے سبھی رموز سے نہ صرف آشنا ہو بلکہ اُس عہد سے بھی مکمل طور پر آگاہ ہو جس میں وہ ادب تخلیق ہوا۔

ترجمے کا اصل مقصد شعر کی روح کو منتقل کرنا اور کم از کم الفاظ میں اپنا مافی الضمیر بیان کرنا ہے جو زیادہ مشکل کام ہے، یہی وجہ ہے کہ ابتدا میں منظوم تراجم کی نسبت نثری ترجمے زیادہ کیے گئے۔ منظوم تراجم کے ذریعے سے اردو زبان کو کئی طرح سے نشوونما اور پرداخت کا موقع میسر آیا۔ اس کا اولین فائدہ کسی بھی زبان کو تہذیبی سطح پر پہنچتا ہے جب ایک زبان کا ادب دوسری زبان کے سانچے میں ڈھلتا ہے تو وہ اپنے ساتھ اپنی تہذیبی اقدار بھی لاتا ہے۔ اس سے نہ صرف اقوام کے علمی سرمائے میں اضافہ ہوتا ہے، زبان پختگی حاصل کر کے ادق مضامین کو اپنے اندر سمونے کی اہل ہو کر تہذیبی ترقی کی منازل بھی طے کرتی ہے جیسا کہ ڈاکٹر جیلانی کامران کہتے ہیں:

> "ترجمہ دراصل دو زبانوں اور دو تہذیبوں کے درمیان پُل کا کام دیتا ہے۔
> جس کے ذریعے خیالات اور تصورات ایک تہذیب سے دوسری کی طرف،
> اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی جانب جاتے ہیں" (۳)

ترجمہ انسانوں میں باہم ارتباط، اتحاد اور یگانگت کی علامت ہے۔ اس کی بدولت انسان دوسرے انسانوں کے تجربات سے مستفید ہو کر سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں آگے بڑھتا ہے اور اخلاقی اقدار کو بھی منتقل کرتا ہے۔ اس سے علوم و فنون کی ترویج اور انسانوں کی لسانی تفریق کا بھی خاتمہ ہوتا ہے۔:

> "ترجمہ ہی نے ایک قوم کے ذخیرہ علم وادب کو دوسری قوموں تک پہنچایا
> ہے۔ ایک انسانی گروہ کے تجربات سے دوسری جماعتوں کو فائدہ اٹھانے کا
> موقع دیا ہے۔" (۴)

دوسری جانب تراجم کسی زبان کے ذخیرہ علم میں اضافہ کر کے اس میں نکھار پیدا کرتے ہیں۔ مزید بر آں نئے اسالیب اور تکنیک کے تجربات کے ذریعے زبان کو وسعت دینے کا باعث بنتے ہیں۔ دیگر زبانوں سے اردو میں کیے جانے والے منظوم ترجمے اپنے ساتھ ان علاقوں کی تہذیب و ثقافت بھی لائے اور ان کے ذریعے اردو میں مختلف اصناف شعری بھی متعارف ہوئیں۔ تراجم میں حتی المقدور اس بات کو یقینی بنایا جاتا ہے کہ ترجمہ شاعر کے جذبات و خیالات کا عکاس ہو۔ اس لیے اس میں خیال اخذ کرنے کے ساتھ اس کی ترسیل میں بعض اوقات حذف و اضافے کا احتمال رہتا ہے، جیسا کہ ڈاکٹر عنوان چشتی کا خیال ہے کہ ترجمے میں اسلوب منتقل نہیں ہوتا اور شعری تراجم میں حذف و اضافہ کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں(۵)۔

ترجمے کی ایک سطح جمالیاتی حس کی تسکین بھی ہے جہاں مترجم کسی دوسری زبان کے شاعر کے حسن بیان کو اپنی زبان میں موجود قریب المعانی الفاظ کے ذریعے اپنے تخیل سے آمیز کر کے لفظوں کے جمالیاتی سانچے میں ڈھالتا ہے تو اس کا یہ عمل طبع زاد شعر کی تخلیق سے دگنا ہو جاتا ہے جہاں وہ دوسرے شاعر کے تخیل کی امانت کو ایک نئی زبان میں سپرد قلم کرتا ہے۔ اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ "منظوم ترجمے میں جمالیاتی کیفیت اور شعریت بھی ہوتی ہے۔(۶)

اردو میں منظوم تراجم کی روایت پر نظر ڈالی جائے تو منظوم تراجم لفظی، نثری، پابند اور آزاد نظم کی صورت میں ملتے ہیں جن میں اخذ و استفادہ کی امثال بھی ملتی ہیں۔ اردو ادب میں منظوم ترجمے کی روایت قلی قطب شاہ کے دور میں فارسی شاعری کے تراجم کے حوالے سے ملتی ہے ملاّ وجہی کے دور میں ایک شاعر غواصی نے عربی کے مشہور و معروف قصّہ 'الف لیلیٰ' کا منظوم ترجمہ کیا اور اسے 'سیف الملوک وبدیع الجمال' کا نام دیا۔ سنسکرت قصہ سے ماخوذ مثنوی 'میناستونتی' بھی انہی کا ترجمہ ہے۔ اسی دور میں ابن نشاطی نے فارسی قصہ 'بساتین الانس' سے ترجمہ کرتے ہوئے مثنوی 'پھول بن' لکھی۔ اورنگزیب عالم گیر کے دور کے شاعر میں شیخ ناصر علی سرہندی ۱۶۹۷ء کے کلام پر بھی فارسی زبان وادب کا رنگ دکھائی دیتا ہے، اس حوالے سے ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> "ناصر علی کی جو اردو غزلیں ملتی ہیں ان میں فارسی زبان کی چاٹ اور فارسی مضامین کو اردو کا جامہ پہنانے کی کوشش کا احساس ہوتا ہے۔"(۷)

اٹھارہویں صدی کے وسط میں بعض مشنری اداروں اور بعض افراد نے بھی تراجم کیے۔ انگریزی ادب سے پہلا منظوم ترجمہ جان کارش کی انگریزی نظم کے فارسی ترجمے سے اردو میں انشاءاللہ خاں انشاء نے نواب سعادت علی خاں کی فرمائش پر ۱۷۹۲ء میں ۲۰۵ اشعار پر مشتمل مثنوی نے "فیل" کے عنوان سے کیا۔ ۱۸۵۰ء کے قریب کلکتہ کے راجہ کالی کرشن بہادر نے فیبل کی حکایتوں کا منظوم ترجمہ کیا۔

قلق میرٹھی نے سرکاری مدارس میں پڑھائی جانے والی پندرہ منتخب انگریزی نظموں کا منظوم ترجمہ "نواب لفٹننٹ گورنر بہادر ممالک مغربی" کے حکم کے مطابق "جواہر منظوم "کے نام سے کیا۔ جو ۱۹۶۴ء کو گورنمنٹ پریس الہ آباد سے طبع ہوا۔ دس برس کے عرصے میں اس کی مقبولیت کے باعث اس کے چار ایڈیشن شائع ہوئے۔ اس کتاب کے تراجم پر مرزااسداللہ خاں غالب نے بھی نظر ثانی کی جس کے حوالے سے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"یہ ترجمہ جو طبع ہوا ہے اس کو منشی غلام مولیٰ سابق ملازم سررشتہ تعلیم نے حسب الحکم صاحب انسپکٹر بہادر قسمت اول میرٹھ کے منتخبات نظم انگریزی حصہ اول سے نظم میں بزبان اردو ترجمہ کیا تھا اور بعد اسکے یہ ترجمہ واسطے اصلاح کے دہلی میں مرزا اسد اللہ خان غالب کے پاس یہ نامہ گرامی بھیجا۔"(۸)

۱۸۶۹ء میں منتخب انگریزی نظموں کے منظوم تراجم" کے عنوان سے بانکے بہاری لال نے بھی تراجم شائع کرائے لیکن اس کے اردو زبان و ادب پر نتیجہ خیز اثرات انیسویں صدی کے نصف اول میں سامنے آئے جب فورٹ ولیم کالج کے قیام کے بعد لغات اور چند کہانیوں کے ترجمے کیے گئے۔ دیگر زبانوں سے منظوم تراجم کے ذریعے شعری مضامین میں تازگی پیدا ہوئی، شاعری گل وبلبل کے قصوں سے باہر نکل کر نظم کی نئی صورتوں اور عنوانات سے آشنا ہوئی۔ جن شعرا کے بالخصوص تراجم کیے گئے ان کے فکر و فلسفہ کا اردو شاعری پر اثر انداز ہونا لازمی امر تھا۔ جیسا کہ ڈاکٹر قمر رئیس تراجم کے اثرات کے حوالے سے کہتے ہیں:

"ترجموں سے زیادہ اثر ہم یہ لیتے ہیں کہ ہمارے ادیب بھی ویسے ہی موضوعات پر لکھنے لگتے ہیں۔(۹)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں نے تعلیمی امور کی جانب توجہ مبذول کی، انگریزی تعلیم سے ہم آہنگی کا آغاز ہوا۔ انیسویں صدی کے نصف آخر کے بعد تحریک سرسید نے علمی وادبی سطح پر انقلاب آفریں کام کیا۔ انجمنِ پنجاب کے تحت محمد حسین آزاد اور مولانا الطاف حسین حالی اردو شاعری کو نئے خیالات اور نئے انداز سے متعارف کرانا چاہتے تھے وہ اردو شاعری کی اصلاحی کوششوں میں پیش پیش رہے۔ محمد حسین آزاد کی اس خواہش کے حوالے سے کوثر مظہر لکھتے ہیں:

> "محمد حسین آزاد انگریزی نظموں کو دیکھ دیکھ کر اردو نظموں کے سلسلے میں مایوسی کا شکار ہوتے رہے۔"انجمن پنجاب" کے قیام کے بعد ۱۵اگست ۱۹۶۷ کو اپنا ایک لیکچر بعنوان "نظم اور کلام موزوں کے باب میں خیالات "پیش کیا۔"(۱۰)

انجمن پنجاب کا قیام اگست ۱۸۶۷ء کو کرنل ہالرائیڈ کی ایما پر عمل میں آیا۔ محمد حسین آزاد اس کے روح رواں تھے۔ انجمن پنجاب نے اردو زبان کی ترقی وترویج میں نظموں کے ذریعے بھرپور کردار ادا کیا۔ اس میں شاعری کو نیچرل بنانے کی شعوری کاوش کی گئی۔ موضوعاتی مشاعروں کے ذریعے مناظر فطرت کو بیان کیا گیا، ان ہی کی بدولت اردو نظم فکری وفنی سطح پر نئی جہت سے روشناس ہوئی۔ انہوں نے سرسید کی نظم کو حقیقت پسندی کی طرف لانے کے خواب کی تکمیل کی۔ ایک خط میں محمد حسین آزاد کی نظم "خواب امن" کی تعریف کرتے ہوئے اسے مزید حقیقی بنانے پر زور دیا۔ آزاد نے سرسید کی اس نصیحت کی بنا پر اپنی شاعری کو بھی مبالغہ وتصنع سے آمیز ہونے سے بچایا اور دیگر شعرا کو بھی اس کی نصیحت کی۔ ان کے تراجم میں اندھی پھول والی کا گیت (لارڈ لٹن) بہار کا آخری پھول (ٹامس مور) اوراجڑا ہوا گھر، معرفتِ الٰہی، بڈھا باپ شامل ہیں۔ جب کہ " اولوالعزمی کے لیے کوئی سدّ راہ نہیں" میں انگریزی مطالب کو اردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔ کرنل ہالرائیڈ کے مشاعرہ کے بند ہونے کے بعد آزاد کبھی کبھی انگریزی نظموں کے انداز پر نظم لکھتے رہے۔

حالی نے چند انگریزی نظموں کے تراجم کیے جن میں ''دوست''، '' قدر و منزلت کس جگہ ہوتی ہے" ''تنہائی کا خیال'' شامل ہیں۔ 'جواں مردی کا کام '' بھی انگریزی نظم کا آزاد منظوم ترجمہ

ہے۔۱۸۷۸ء میں "زمزمہ قیصری" کے عنوان سے برطانوی شاعر اسٹوک کی انگریزی نظم کے نثری ترجمے کو بھی منظوم کیا۔

پھر ہوا اسلام کے اقبال کا تارا بلند
جانب ہندوستان محمود نے ہانکا سمند
وہ مسلمانوں کے حق میں ابر رحمت تھا مگر
ہندووں کے دل رہے اس کے ستم سے دردمند
وہ پہنچتا تھا جہاں ہوتی تھی واں آفت بپا
اور چلتا تھا جلو میں اس کے آسیب و گزند

(نظم: زمزمہ قیصری)

اسماعیل میرٹھی بھی انگریزی نظموں میں طرز ادا کی سادگی سے متاثر ہوئے انھوں نے، "کیڑا"، "ایک قانع مفلس"، "موت کی گھڑی"، اور "فادر ولیم" کے نام سے چار نظموں کے تراجم ۱۸۶۷ء میں کیے جو ۱۸۸۰ میں شائع ہونے والے شعری مجموعے "ریزہ جواہر" میں شامل ہیں۔ نظم "کیڑا "۱۹ میں مور کے حسن اور کیڑے کی زندگی کا موازنہ کرتے ہوئے بچوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

تم اس کیڑے کو دیکھو تو لگاتار
تمہاری راہ میں ہے گرم رفتار
چلا کترا کے کیا کیا پیچ و خم سے
جھجکتا ہے یہ آوازِ قدم سے(۱۱)

"موت کی کھڑی" میں لکھتے ہیں:

جب کہ طوفاں ہو زندگی میں بپا
گھیر لیں ہر طرف سے
موج بلا
جب کہ لغزش میں پاوں
تیرا ہو
اور آنکھوں تلے اندھیرا ہو

بلکہ ہوش و حواس بھی ہوں جدا
ڈر نہ زنہار رکھ نظر بخدا(۱۲)

انہوں نے حب وطن، اور انسان کی خام خیالی، جیسی انگریزی نظموں کے ترجمے کیے۔ علاوہ ازیں ان کی انگریزی نظموں کی طرز پر غیر مقفیٰ نظمیں "تاروں بھری رات" اور "چڑیا کے بچے" ہئیتی تجربات کے اولین تجربات میں شامل ہیں۔

عبدالحلیم شررؔ نے انگریزی شاعری کے تتبع میں اردو نظم کے طرزِ بیان اور ہیئت میں تبدیلی کرنے کی سعی کو باقاعدہ تحریک کی شکل دی۔ ان کی اس کوشش سے اردو شاعری کا دامن وسیع ہوا۔ شعری تراجم کی طرف مترجمین کا انفرادی رجحان بڑھا جس سے انگریزی ادب کے شہ پاروں کے تراجم کی طرف توجہ کی گئی۔ مرزا حامد بیگ کے بقول:

"اردو میں منظّم تراجم کی تحریک عبدالحلیم شرر کی تھی۔"(۱۳)

نظم طباطبائی نے ۱۸۹۷ء میں "گور غریباں" کے نام سے تھامس گرے کی نظم کا ترجمہ محمد عبدالحلیم شرر مدیر رسالہ "دلگداز" کی فرمائش پر تحریر کیا۔ جسے بے حد سراہا گیا، اس کے حوالے سے عبدالحلیم شرر نے لکھا کہ انگریزی دنیا میں مشہور و مقبول روزگار نظم گریز ایلجی (گرے کا مرثیہ) بہت قدر و قعت اور ادب کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اس کا ترجمہ مولوی میر علی صاحب نظم طباطبائی نے اس کمال کے ساتھ کیا ہے کہ وہی انگریزی کا سوز و گداز قریب قریب اردو زبان میں پیدا ہو گیا ہے۔ اس ترجمے سے اردو زبان میں سٹینز الکھنے کا آغاز بھی ہوا۔ عبدالحلیم شرر اس ترجمے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"ایسی جانگداز اور موثر نظمیں اور یجنل طور ہر اردو میں کم کہی گئی ہیں۔ نہ کہ ترجمہ اور پھر اس پابندی کے ساتھ کہ جس طرح پہلے مصرع کا قافیہ تیسرے مصرع سے اور دوسرے مصرع کا چوتھے مصرع سے انگریزی میں ملتا ہے اسی طرح ہمارے مولانا نے بڑے لطف سے اپنی طرزِ قافیہ بندی کو چھوڑ کے اردو میں ملایا ہے (اردو میں اسٹینزا کہنے کی ابتداء بھی اسی نظم سے ہوئی) اس نظم کے لیے گور غریباں کا جو نام تجویز کیا گیا ہے یہ بھی بہت کچھ قابلِ داد ہے۔"(۱۴)

وداع روز روشن ہے گزر شام غریبوں کا
چراگاہوں سے پلٹے قافلے وہ بے زبانوں کے
قدم گھر کی طرف کس شوق سے اٹھتا ہے دہقانوں کا
یہ ویرانہ ہے میں ہوں اور طائر آشیانوں میں

(گور غریباں)

خلیل الرحمٰن اعظمی کا کہنا ہے کہ:

"اردو کی پابند نظم میں ایک نیا انداز نظم طبا طبائی کی "گور غریباں "سے شروع ہوتا ہے جو گرے کی مشہور ایلجیکا منظوم ترجمہ ہے اور جو شرر کی فرمائش پر کیا گیا،"(۱۵)

ان کے دیگر تراجم میں "جوہر شرافت"،" ہمدردی و ثابت قدمی" ،"یاد رفتگاں" ،انگریزی سے ترجمہ ہے، دولتِ خداداد افغانستان پر سر الفریڈ لائل کی رائے "شامل ہیں،انہوں نے زمزمہ فصل بہار کے عنوان سے ٹامس گرے کی نظم کا ترجمہ کیا۔اس میں لکھتے ہیں:

جدھر سے قافلہ گزرا ہے اندر کی سواری کا
وہ نسرین پوش لشکرانجم صبح بہاری کا
سبب تھا لالہ و ریحاں کی جو امید واری کا
جگایا جس نے جادو فصلِ گل کی لالہ کاری کا
جہاں بلبل کلیجہ توڑ فریاد کرتے ہیں
جو قمری کوکتی ہو رقص سب شمشاد کرتے ہیں (۱۶)

نادر کاکوروی کی نظموں نے اردو شاعری کو نیا آہنگ اور گداز عطا کیا۔ انہوں نے کئی انگریزی نظموں کے تراجم کیے، جن میں اسلوب، بحر اور شاعر کے تصور و جذباتی کیفیات کی بخوبی نمائندگی ملتی ہے۔ ان تراجم میں "شاعر کا دل" مرحومہ کی یاد اور تھامس مور کی نظم(The light of the other days)کا ترجمہ گزرے زمانے کی یاد" کے عنوان سے کی جسے بہت سراہا گیا اس کے حوالے ممتاز حسین نے لکھا کہ:

"گزرے زمانے کی یاد نہ صرف نادر کا بہترین ترجمہ ہے بلکہ اسے اردو شاعری کا بہترین ترجمہ کہنا چاہیئے۔"(۱۷)

جب آہ اُن احباب کو
میں یاد کر اٹھتا ہوں جو
یوں مجھ سے پہلے اُٹھ گئے
جس طرح طائر باغ کے
یا جیسے پھول اور پتیاں
گر جائیں سب قبل از خزاں
اور خشک رہ جائے شجر(۱۸)

ترجموں کے فروغ میں ادبی رسائل " دلگداز "اور" مخزن" کا کردار ناقابل فراموش ہے۔ عبد الحلیم شررنے " بلینک ورس" کو غیر مقفیٰ" کا نام دے کر رواج دینے کے لیے عملی کاوشیں کیں اور ادبی پرچے "دلگداز" میں باقاعدہ تحریک چلائی۔ جس سے مغربی ادب کی جانب لوگوں کی توجہ مبذول ہوئی۔ رسالہ " دلگداز" کے علاوہ "مخزن" میں بھی انگریزی زبان کے تراجم کو فروغ دے کر نظم نگاری میں وسعت پیدا کی گئی۔ اس کے پہلے شمارے میں اس کے مقاصد میں ترجموں کا فروغ بھی شامل تھا:

"انگریزی نظموں کے نمونے پر طبع زاد نظمیں، انگریزی نظموں کے بامحاورہ ترجمے شائع کرنا تاکہ متقدمین کی تقلید کرنے والے جدید مذاق سے آگاہ ہوں"(۱۹)

اس کے بعد " مخزن " میں لکھنے والوں نے منظوم تراجم کی جانب توجہ کی۔ رومانویت کی روایت کو انگریزی رومانوی شعرا ورڈزورتھ، شیلے، کیٹس، بائرن کی نظموں کے منظوم تراجم سے اردو ادب میں فروغ ملا۔ اس کا پہلا شمارہ اپریل ۱۹۰۱ ء میں شائع ہوا جس میں اس کے بنیادی مقاصد کا ذکر کرتے ہوئے تراجم پر زور دیا گیا۔ خلیل الرحمٰن اعظمی مخزن کی تحریک کے کردار کو واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"مخزن کے ذریعہ منظوم ترجموں کے اس رجحان نے شعرا کی طبع زاد نظموں کو بھی ہیئت اور اسلوب کے اعتبار سے متاثر کیا۔ اور جدید طرز کی نظمیں اوریجنل طور پر لکھی جانے لگیں۔"(۲۰)

مخزن میں غلام بھیک نیرنگ نے۔تربت جاں، مقصد الفت۔ عالم پیری اور یاد ایام، انجام محبت۔ جان شیریں۔ سرور جہان آبادی، نے ٹینی سن اور ٹامس مور کی نظموں کے تراجم سالِ گذشتہ، موسم گرما کا آخری پھول، کے نام سے اور انگریزی نظموں کے ترجمے کلیجے کا داغ، میرا ساغر آسمان ہے، مرغابی، حسرت موہانی نے موسم بہار کا آخری پھول اور ترانہ محبت، کے نام سے کیے۔ مخزن میں منظوم ترجمے کرنے والوں میں سید محمد کاظم حبیب کنتوری، ضامن کنتوری، سیف الدین شہاب، سید علی حیدر زیدی، منیر حسین انبالوی۔ تلوک چند محروم وغیرہ شامل ہیں۔

علامہ اقبال نے اقبال نے شیخ عبد القادر کی فرمائش پر تراجم کی جانب توجہ کی اور انگریزی و امریکی شعرا ایمرسن، لانگ فیلو، اور ولیم کوپر کی کی نظموں کے ترجمے کیے جن میں ،پیام صبح، عشق اور موت، اور رخصت اے بزم جہاں شامل ہیں۔ اقبال کا انتخاب بچوں کی نظموں یا فلسفیانہ خیالات کے حوالے سے تھا۔ ان کی طبع زاد نظمیں بھی ان شعرا کے طرز تخیل کی عکاسی کرتی ہیں جیسے۔ آفتاب صبح، ابر کہسار، مرزا غالب۔اسی طرح کاوپر کی نظموں(The Nightingale and The Glow-Worm)اور On a Gold-Finch Starved to Death) کے تراجم "پرندہ اور جگنو"،اور "پرندے کی فریاد "کے نام سے کیے۔اسی طرح ان کی نظم "والدہ مرحومہ کی یاد میں" بھی کوپر کی نظم کی طرز پر ہے۔

ذرہ ذرہ دہر کا زندانی تقدیر ہے
پردہ مجبوری وبے چارگی تدبیر ہے
آسماں مجبور ہے۔ شمس و قمر مجبورہیں
انجم سیماب پا رفتار پر مجبور ہیں
ہیں شکست انجام غنچے کا سبو گلزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجبورِ نمو گلزار میں
نغمہ بلبل ہو یاآوازِ خاموشِ ضمیر
ہے اسی زنجیرِ عالم گیر میں ہر شے اسیر (۲۱)

سیموئیل راجرز کی نظم(A wish)کا ترجمہ ایک آرزو کے نام سے کیا۔ گرے ایجی کی نظموں کے اثرات اقبال کی نظم" خفتگان خاک سے استفسار، اور گورستان شاہی" پر ہیں ۔ایک پہاڑ اور گلہری(The Mountain and the Squirrel) ایک گائے اور بکری(The Cow and the Ass') پرندے کی فریاد (On a Gold-Finch Starved to Death)یک مکڑا اور مکھی(The Spider and the Fly) ایک بچے کی دعا(A Child's Hymn) ماں کا خواب(The Mother's Dream)پیامِ صبح(Day Break) شامل ہیں۔ پروفیسر عبدالقادر سروری کاااقبال کے شعری ترجمے کے حوالے سے کہتے ہیں:

> "اقبال کی ابتدائی شاعری کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جو مغربی شعرا
>
> جیسے ٹینی سن، ایمرسن، گوپٹےوغیرہ کے کلام سے ماخوذ ہے۔ یہ درحقیقت اقبال کی موضوعی نظموں کا اوّلین نقش ہیں ۔"(۲۲)

اقبال کے ان تراجم میں انگریزی نظموں کے خیالات سے استفادہ بھی ملتا ہے لیکن ان کی تشکیل میں اقبال کی اپنی فکر بھی کارفرما ہے۔

ہم ان کے تراجم کو آزاد یا نیم آزاد تراجم میں شمار کرسکتے ہیں۔ان تراجم سے علامہ اقبال نے اردو نظم نگاری کے اسلوب کو تبدیل کرنے میں اپنا کردار ادا کیا،ان کی شاعری میں بھی تکنیکی تجربات ملتے ہی۔ان تراجم کی اہمیت کے حوالے سے ڈاکٹر حسن الدین رقم طراز ہیں:

> "اقبال کے تمام منظوم ترجمے نہ صرف اردو شاعری کا جزو بن گئے ہیں ، بل کہ یہ مختصر ذخیرہ اتنا قیمتی ہے کہ اردو شاعری اس پر ناز کر سکتی ہے ۔"(۲۳)

عظمت اللہ خاں کے نو منظوم تراجم ملتے ہیں۔انہوں نے براونگ کی نظم(A women's last words)کاترجمہ "تریاچاہ' کے نام سے کیا۔ سریلے بول کے عنوان سے ان کی کتاب ان کی وفات کے بعد ۱۹۴۰ ء میں حیدرآباد سے شائع ہوئی عظمت اللہ خاں نے شیکسپیئر ، بائرن، براونگ، ورڈز ورتھ، میریڈیتھ اور تھامس ہارڈی کی نظموں کا با محاوہ ترجمہ کیااور میں ہیئت کے نئے تجربے کیے جنہیں جدید اردو نظم کے ارتقا میں خاص اہمیت حاصل ہے۔اُن کے قابلِ ذکر ترجمے یہ ہیں انہوں،یونان کے جزیرے،، چھیل چھبیلی۔انہوں نے تھامس ہاڈی کی نظم

(Heredity) کا ترجمہ "نسب" کے نام سے کیا۔ براوننگ کی نظم (Women's last word)، تریا چاہ۔ اور (A pretty women) میریڈتھ کی نظم (A young Usurper) ننھا غاصب. بائرن کی نظم (Isles of Greece) اور شیکسپئیر کی (To sleep, perchance ,to ---To die to sleep-dream. aye there's the rule.) اگر موت بن خواب کی نیند ہووے، بھی ان کے اہم ترجمے ہیں:

اگر موت بن خواب کی نیند ہووے
مصیبت کے مارے کریں خودکشی
کہ دنیا میں دکھ کے سوا کچھ نہیں
نہیں دکھ سے خالی یہاں خود خوشی
سوا اس سے دکھ کی دوا کچھ نہیں
مندی آنکھ بس بے خبر روح سووے(۲۴)

ورڈزورتھ کی نظم "we are seven" کا منظوم ترجمہ "ہم سات ہیں" کے عنوان سے کیا۔

قلندر کے تکیے میں پیڑوں کے نیچے
بہن ایک سوتی ہے بھیا کے ساتھ
وہیں گھر ہمارا ہے مسجد کے پیچھے
میں پاس انکے رہتی ہوں میّا کے پاس(۲۵)

عیسیٰ چرن صدآ نے ملٹن کی نظم (Paradise Lost) "" کا منظوم ترجمہ " فردوسِ گم شدہ " اور (Paradise Regained) فردوسِ بازیافتہ کے نام سے کیا۔ انگریزی سے کیے گئے منظوم ترجموں میں " فردوسِ گمشدہ " سب سے طویل ہے۔ ملٹن کی دوسری نظم کا ترجمہ بھی انھوں نے کیا جس کو دلگداز پریس لکھنو نے ۱۹۲۲ء میں شائع کیا۔ اسی طرح صدآ نے ملٹن کی نظم "Samson Agnostic" کا منظوم ترجمہ " شمعونِ مخزون " کے نام سے کیا۔

عزیز احمد نے کو ئی زبانوں کے ادب پر دسترس حاصل تھی جن میں عربی، فارسی، جرمنی، فرانسیسی، اور انگریزی ادب شامل ہے۔انہوں نے دانتے کی(Devine comedy) کا ترجمہ طربیہ خداوندی اور بائرن کی نظم کا ترجمہ "نغمہ الفت" کیا۔ انہوں نے مغربی شعرا کا عمیق مطالعہ کیا جس کی بنا پر وہ اردو کو ترقی یافتہ زبانوں کی فہرست میں شامل کرنے کے لیے نئے خیالات کو تراجم کے ذریعے اپنی زبان میں منتقل کرنا چاہتے تھے۔ منظور الامین اپنے مضمون "عزیز احمد ایک ہمہ جہت شخصیت" میں ان کے ترجموں کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "عزیز احمد نے شیکسپئیر 'ٹی ایس ایلیٹ' شیلے اور بائرن کے ایسے کلام کا اردو میں ترجمہ کیا جسکے ذریعہ اردو کے وہ ادیب جو انگریزی ادب سے نا آشنا ہیں ان عظیم شاعروں کی تخلیقات سے واقف ہو جائیں۔"(۲۶)

"چاند سے خطاب" شیلے کی نظم کا ترجمہ نومبر ۱۹۲۹ کو نیرنگ خیال میں شائع ہوا

اے قمر اے بادیہ پیمائے صحرائے فلک
شاید اس تنہا فلک گردی سے اب تو تھک گیا
بزم انجم میں ترا ہمدم نہیں رہبر نہیں
یعنی ہر کوکب ہے ناجنس اور چشم بے ضیا(۲۷)

میراجی کے "ادبی دنیا" میں شائع ہونے والے مضامین کا مجموعہ "مشرق و مغرب کے نغمے" کے عنوان سے شائع ہوا جسے بہت پذیرائی ملی۔ اس میں انہوں نے امریکہ، روس، برطانیہ، چین، بنگال، فرانس، انگلستان کے شعرا کا تعارف اور ان کی تخلیقات کے منظوم تراجم بھی پیش کیے۔ فیض احمد فیض نے ان کی تنقیدی اور تخلیقی کاوشوں کو سراہتے ہوئے اپنے مضمون "میراجی کا فن" میں لکھا:

> "یہ تحریریں اہم علمی، تحقیقی اور تاریخی دستاویزیں ہی نہیں ایک گراں قدر تخلیقی کارنامہ بھی ہیں، ان کے توسط سے میراجی نے جس انداز کے ادب عالم کے حسین نمونے ہم تک پہنچائے وہ محض ترجمہ نہیں ایجاد ہے۔ان کی تخلیق سے اردو ادب میں بدیسی ادب کے معروف اور غیر معروف شاہپاروں ہی کا اضافہ نہیں ہوا بلکہ ہمارے ہمعصر ادیبوں کے فکر و احساس کی تربیت بھی ہوئی۔"(۲۸)

رٹمن کی آزاد نظم کا ترجمہ "الوداع اے طائر خیال" کے عنوان سے کیا

الوداع اے طائر خیال!

الوداع! الوداع اے طائر خیال!

الوداع اے یار غار!

الوداع محبوب من

جارہاہوں میں. نہیں معلوم لیکن کس جگہ

اور یہ خوبی ہے اس تقدیر کی

اور دیکھوں گا تجھے میں پھر کبھی

اس لیے اب

الوداع ہاں اے طائر خیال! (۲۹)

فیض احمد فیض کے چار تراجم،" شام شہر یاراں میں شامل ہیں جن میں ترک شاعر ناظم حکمت کی نظموں کا ترجمہ " زنداں سے ایک خط، ویرا کے نام، وامیرے وطن، اور قازقستانی شاعر عمر علی سلیمان کی نظم " صحرا کی رات" شامل ہیں۔ مرے دل مرے مسافر میں شامل دو نظمیں" شاعر لوگ" اور " شوپیں کا نغمہ بجتا ہے" قفقاز کے شاعر قاسن سے ماخوذ ہیں۔ "زنداں سے ایک خط" کہتے ہیں:

مری جاں تجھ کو بتلاوں بہت نازک یہ نکتہ ہے

بدل جاتا ہے انساں جب مکاں اس کا بدلتا ہے

مجھے زنداں میں پیار آنے لگا ہے اپنے خوابوں پر

جو شب کو نیند اپنے مہرباں ہاتھوں سے

وا کرتی ہے در اس کا

تو آ گرتی ہے ہر دیوار اس کی میرے قدموں پر (۳۰)

۱۹۳۰ء سے قبل انگریزی سے اور اس کے بعد دوسری زبانوں سے ترجموں کا آغاز ہوا۔ اس دور میں بہت سے شعرا نے امریکی ، فرانسیسی ، اطالوی ،روسی ،ترکی اور چینی ادب کے شاہکاروں کو اردو زبان میں منتقل کیا، جس سے فنی طور ہر تراجم کی جڑیں مضبوط ہوئیں مثلا جدید نظم نگاروں نے مثنوی کی ہیئت کو اپنایا، آزاد اور حالی، اقبال کے منظوم تراجم اس کی مثال ہیں۔ نظم معریٰ، قافیے کے بغیر ایک ہی بحر میں لکھی گئی نظم، Blank verse انگریزی ادب سے آئی محمد حسین آزاد اور، شرر نے اسے فروغ دیا، جدید دور میں اسے لکھنے والوں میں تصدق حسین خالد، میرا جی، یوسف ظفر، ضیا جالندھری، جاں نثار اختر شامل ہیں۔ آزاد نظم Free verse ، فرانسیسی ادب سے آئی۔ تصدق حسین خالد، ن۔ م راشد۔ علی سردار جعفری، قیوم نظر، احمد ندیم قاسمی، یوسف ظفر، اختر الایمان، منیر نیازی، خلیل الرحمٰن اعظمی انے اسے اپنایا۔ سانیٹ، اطالوی زبان کے لفظ سانیتو سے بنا، جس کے معنی مختصر آواز یا راگ ہیں، س میں مرکزی خیال کو چودہ مصرعوں میں بیان کیا جاتا ہے۔ اردو ادب میں انگریزی کے توسط سے آئی، اختر شیرانی، ن، م۔ راشد، احمد ندیم قاسمی، حنیف کیفی نے سانیٹ لکھے۔ نثری نظم:prose poem لکھنے والوں میں حسن لطفی، ڈاکٹر محمد حسن، سجاد ظہیر وغیرہ شامل ہیں۔ ہائیکو جاپانی شاعری سے آئی۔ تین مصروں کی سترہ ارکان پر مشتمل نظم ہے۔ نورالحسن برلاس اور سرفراز حسین نے اسے متعارف کرایا ترائیلے، فرانسیسی زبان سے اردو کا حصہ بنی۔ اس طرح دنیا کی مختلف زبانوں میں پائی جانے والی اصناف تراجم کے ذریعے اردو نظم میں رچ بس گئی ہیں۔ اردو زبان نے تراجم کے ذریعے وہ اعتماد حاصل کیا کہ ہماری زبان ہر طرح کے سائنسی اور فلسفیانہ موضوعات پر دسترس حاصل کر چکی ہے۔ اردو شعرا کے منظوم ترجمے کی کاوشوں سے اردو زبان کو اسلوبیاتی، فنی و تکنیکی اور ہئیتی سطح پر بہت فائدہ پہنچا۔ ڈاکٹر قمر رئیس اردو زبان و ادب کے فروغ میں ان منظوم تراجم کے کردار کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> " اردو کو ایک جدید زبان بنانے ، ملک گیر سطح پر اسے مقبولیت بخشنے اور ہندوستانی زبانوں میں اسے ایک امتیازی شان عطا کرنے میں جہاں چند دوسرے عوامل رہے ہیں وہاں یورپی بالخصوص انگریزی علوم وادب کے تراجم نے بھی اہم رول ادا کیا۔"(۳۱)

قیام پاکستان کے بعد تصدق حسین خالد، سجاد باقر رضوی، شان الحق حقی، ن-م راشد، احمد ندیم قاسمی۔ امجد اسلام امجد نے قابل ذکر ترجمے کیے جس سے زبان میں وسعت پیدا ہوئی۔ ان سب حقائق کی روشنی میں ہم کہ سکتے ہیں کہ اردو زبان و ادب کی نشوونما اور ارتقامیں ان منظوم تراجم سے تخلیقی جذبے کو مہمیز لگانے کا کام لیا گیا۔ زبان اظہار کے نئے زاویوں، ہیئتوں اور مضامین سے آشنا ہوئی، اس سے زبان میں توانائی آئی۔ نئی اصناف شعری کے تجربات سے شعرا اور قارئین کے ذوق کی تربیت بھی ہوئی اور اردو کی ترقی میں دیگر زبانوں کی مدد سے آنے والے نئے الفاظ و اظہار کے زاویوں سے زبان کا دامن مزید وسیع ہوا۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر عنوان چشتی, ترجمہ کا فن اور روایت. مرتبہ :ڈاکٹر قمر رئیس ،لاہور: پیس پبلی کیشنز۔۲۰۱۷ ص ۱۳۴

۲۔ پروفیسر ارتقا کریم، مشمولہ، ترجمہ کا فن اور روایت، مرتبہ:ڈاکٹر قمر رئیس، لاہور: پیس پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء، ص ا

۳۔ جیلانی کامران، ترجمے کی ضرورت، مشمولہ: ترجمہ روایت اور فن۔ ص ۲۶

۴۔ قمر رئیس، مقدمہ۔ ترجمہ کا فن اور روایت۔ ص ۱۱

۵۔ ڈاکٹر عنوان چشتی، "منظوم ترجمے کا عمل، مشمولہ، ترجمہ کا فن اور روایت، ص ۱۴۶

۶۔ ایضا۔ ص ۱۵۱، ۱۵۲

۷۔ ڈاکٹر سید عبد اللہ، مباحث، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۵ء، ص ۸۱

۸ ۔ قلق میر ٹھی، جواہر منظوم، الہ آباد: گورنمنٹ پریس، ۱۹۶۷ء، ص ا

۹۔ قمر رئیس، ڈاکٹر، ترجمہ کا فن اور روایت، ص ۱۱۵

۱۰۔ کوثر مظہری، جدید نظم: حالی سے میرا جی تک، نئی دہلی۔: مظہر پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، ص ۱۰

۱۱۔ اسماعیل میرٹھی، کلیات اسماعیل میرٹھی، میرٹھ: اورینٹل پبلشنگ منی، ۱۹۱۰ء، ص ۴۵

۱۲۔ ایضاً۔ ص ۴۸

۱۳۔ مرزا حامد بیگ، "اردو میں ترجمے کی روایت" مشمولہ ترجمہ کا فن اور روایت، ڈاکٹر قمر رئیس، ص ۲۰۴

۱۴۔ مولوی سید علی حیدر (نظم طباطبائی)، (جزو اول) پیشکش، سید امیر حسن و محترمہ قمر حسن، (حیدر آباد: رضوی پرنٹرز، س۔ن)، ص ۱۷۸

۱۵۔ خلیل الرحمٰن اعظمی، "اردو نظم کا تشکیلی دور" مشمولہ نئی نظم تجزیہ وانتخاب، مرتبہ زبیر رضوی، نئی دہلی: مکتبہ ذہن جدید، ۲۰۰۷ء، ص ۱۱

۱۶۔ مولوی سید علی حیدر، (نظم طباطبائی) جزو اول۔ پیشکش، سید امیر حسن و محترمہ قمر حسن، حیدر آباد: رضوی پرنٹرز، س۔ن)، ص ۱۹۰

۱۷۔ ممتاز حسن۔ (مرتبہ) جذبات نادر (حصہ اول ودوم)، کراچی: ۱۹۶۶ء)، ص ۲

۱۸۔ ذکی کاکوروی، انتخاب کلام نادر کاکوروی، لکھنو: اترپردیش اردو اکادمی، ۱۹۹۱ء، ص ۳۱

۱۹۔ خلیل الرحمٰن اعظمی۔، "اردو نظم کا تشکیلی دور، مشمولہ، نئی نظم تجزیہ وانتخاب، مرتبہ زبیر رضوی۔ نئی دہلی: مکتبہ ذہن جدید، ۲۰۰۷ء، ص ۱۵

۲۰۔ ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی ، زاویہ نگاہ، بیراگی؛ گیا، آدرش پبلشرز، ۱۹۶۶ء، ص ۱۷۱

۲۱۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو، لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۱۸ء، ص ۲۵۴

۲۲۔ عبدالقادر سروری۔، جدید اردو شاعری، حیدر آباد دکن: مکتبہ ابراہیمیہ، ۱۹۳۲ء۔، ص ۲۲۵

۲۳۔ ڈاکٹر حسن الدین احمد، انگریزی شاعری کے منظوم اردو ترجموں کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، حیدرآباد :ولا اکیڈمی، ۱۹۸۴ء، ص ۱۵۹

۲۴۔ محمد عظمت اللہ خان، سُریلے بول، مرتبہ عظمت زبیدہ بیگم، (نئی دہلی۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۲۰۱۳ء)، ص۱۷۷

۲۵۔ ایضاً، ص۹۵

۲۶۔ منظور الامین، "عزیز احمد ایک ہمہ جہت شخصیت" مشمولہ، عزیز احمد فکر و فن اور شخصیت (جلد دوم)، اعظم راہی، تحقیق و ترتیب اور انتخاب، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، ۲۰۱۱ء)، ص۲۱

۲۷۔ اعظم راہی، تحقیق و ترتیب اور انتخاب، عزیز احمد فکر و فن اور شخصیت (جلد دوم)، (دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، ۲۰۱۱ء)، ص۱۴۵

۲۸۔ میراجی۔ مشرق و مغرب کے نغمے، (لاہور: اکادمی پنجاب، ۱۹۸۵ء)، ص۵۹

۲۹۔ ایضاً، ص۵۹

۳۰۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، ۱۹۹۹ء)، ص۲۰۲

۳۱۔ قمر رئیس، ڈاکٹر، مقدمہ، ترجمہ کا فن اور روایت، ص۲۲